عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

رجب ۱۴۳۹ھ / اپریل ۲۰۱۸ء

Reg No. P476

جلد: شش دھم

شمارہ: ۸

فہرست

فی شمارہ : -/20 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/250 روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

physiologist72@hotmail.com | www.darwaish.org | akhun82@gmail.com

اداریہ

کسی دینی سیاسی پارٹی کی محترمہ ایم این اے صاحبہ نے قومی اسمبلی میں اقلیتوں کی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخصوص سیٹوں کے لئے بل داخل کرادیا۔ متعلقہ حکومتی ادارے ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) سے رائے مانگی گئی تو کمیشن نے جواب دیا کہ ہمارے ملک میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلے کے لئے اقلیت کو اکثریت کے برابر حقوق دئے گئے ہیں اس لئے اس سہولت کے ہوتے ہوئے اقلیت کو مزید سیٹیں دینا گویا ملک کی اکثریت کے حقوق مارنا ہے۔ اس پر بل رَد (Reject) ہو گیا۔

مختلف ممالک میں اقلیتوں کے لئے تھوڑا سا مخصوص کوٹہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اقلیتوں کو ایک خاص حد کے اندر رکھنا چاہتے ہیں تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ آگے بڑھ کر کہیں اتنے چھا نہ جائیں کہ اکثریت پیچھے ہی رہ جائے۔ چنانچہ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ اور ایران میں سنیوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔ جبکہ حکومتِ پاکستان نے پوری فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے اقلیتوں کو اکثریت کے برابر حقوق دئے ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے اسی پارٹی سے متعلق ایک عارضی (Acting) وائس چانسلر قبلہ ایاز نے اکثریت کا حق مارتے ہوئے پشاور یونیورسٹی میں Open Merit کے ساتھ ساتھ تیس اضافی سیٹیں اقلیتوں کو دی ہوئی تھیں۔

ایسے اندازہ ہوتا ہے کہ جمہوری دینی پارٹیاں اپنے آپ کو مغرب کی نگاہ میں مقبول بنانے کے لئے کچھ حد سے زیادہ ہی ہاتھ پیر مار رہی ہیں تا کہ اقتدار کی کرسی تک رسائی ہو سکے۔ قرآن مجید کی رہنمائی میں ان کو وہ آیت سنانی ضروری ہو گی جس میں فرمایا گیا ہے

ولن ترضیٰ عنک الیھود ولن نصریٰ حتیٰ تتبع ملتھم

کہ آپ یہود و نصریٰ کو اس وقت تک راضی نہیں کر سکیں گے جب تک آپ اپنے دین کو چھوڑ کر ان کے دین کو اختیار نہ کر لیں۔

حال ہی میں ختم نبوت کے بارے میں الیکشن کمیشن کی ترمیموں پر جو انہوں نے خاموشی اختیار کی ابھی قوم اس کو بھولی نہیں تھی کہ یہ نیا کارنامہ کر بیٹھے۔

☆☆☆☆☆

تعزیت

سلسلے کی اہم شخصیت حضرت مولانا ڈاکٹر عبید اللہ صاحب خلیفۂ مجاز حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کے بھائی جناب نور محمد خان صاحب ایک حادثے میں شہید ہو کر انتقال کر گئے۔ ڈاٹسن پک اپ کے حادثے کے بعد خود ہسپتال پہنچے۔ جب ڈاکٹر ان کے سر کے زخم پر ٹانکے لگانے لگا تو انہوں نے فوراً کہا: ''مجھے چھوڑیں، دیگر مریضوں کی طرف متوجہ ہوں، مجھ پر نزع شروع ہو گیا ہے۔ میں بھی کلمہ پڑھتا ہوں آپ بھی کلمہ پڑھیں۔'' کلمہ پڑھتے پڑھتے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ اللہ انہیں مغفرت نصیب فرمائے، پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور ان کی کفالت کا غیب سے بندوبست فرمائے۔ (آمین)

ساتھی سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھ کر ان کے لئے ایصالِ ثواب کریں۔

☆☆☆☆☆

اعلان

آئندہ ماہانہ اجتماع ۲۱ اپریل ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ پشاور میں منعقد ہوگا۔ بیان مغرب کی نماز کے بعد ہوگا۔

ملفوظاتِ شیخ ۔ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ (قسط۔۹۴)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب، پشاور)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع:

فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پہلا اجماع نبوت کے دعویداروں کے بارے میں ہوا جن کے بارے میں فیصلہ ہوا کہ جس کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جو بھی اس کے ماننے والے ہیں وہ یا تو توبہ تائب ہو کر اسلام قبول کریں یا دنیائے اسلام چھوڑ کر بھاگیں، نہیں تو قتل کئے جائیں گے۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والوں یا ان کو ماننے والوں کے بارے میں یہ تین فیصلے ہیں جو شریعت نے کئے ہیں۔ وہ اپنے اس حال کے ساتھ نہیں رہ سکتے اور دنیائے اسلام میں کوئی زمین، جائیداد، کوئی رسالہ، مرکز بنانے یا کوئی تبلیغی کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ختم نبوت کے بارے میں شریعت کا جو اصلی فیصلہ ہے وہ پاکستان کی اسمبلی سے نہیں ہو سکا۔ قومی اسمبلی نے صرف ان کو کافر Declare کیا یعنی ان کے کافر ہونے کا اعلان کیا ہے لیکن اصل فیصلہ نہیں ہو سکا کہ یا تو بھاگیں یا اسلام قبول کریں، ورنہ اپنے اس حال کے ساتھ یہاں نہیں رہ سکتے۔ ہاں اپنے آپ کو کافر مان لیں تو پھر اقلیت کی شکل میں رہ سکتے ہیں۔ یا منافق ہو کر خاموش ہو جائیں اور خفیہ سازشیں کرتے رہیں لیکن علی الاعلان کچھ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ختمِ نبوت کے مسئلے کا فیصلہ اپنی اصل روح کے ساتھ ابھی تک پاکستان میں نافذ نہیں ہوا۔

دوسرا اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تراویح کے بارے میں ہے۔ پھر مسئلہ تین طلاق پر اجماع ہوا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کے دور میں جب تین طلاق کے مسئلے آنے لگے تو انھوں نے کہا کہ میں تین طلاق کو تین طلاق ہی نافذ کروں گا۔ پوچھا گیا کہ آپ کیسے تین طلاق

نافذ کریں گے جبکہ حضور ﷺ نے اس کو ایک طلاق نافذ کیا ہے۔ فرمایا کہ حضور ﷺ نے اس کو ایک طلاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نافذ کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی حضور ﷺ قسم لیا کرتے تھے، وہ آدمی قسم کھا کر بیان دے دیتا کہ طلاق کا لفظ جو کہ میں نے تین دفعہ کہا ہے اس سے میری نیت ایک طلاق کی تھی، تین طلاق کی نہیں تھی، محض غصے کی شدت میں لفظ تین دفعہ نکلا ہے۔ جب نیت ایک کی ہو اور لفظ تین بار بولا ہو تو ایک طلاق ہی نافذ ہوتی ہے۔ ہمارے علماء چونکہ عدالتی نظام سے نہیں گزرے ہوتے اس لئے ان کی کتنی ہی مشق کیوں نہ ہو، اس مسئلے کو مشکل سے سمجھتے ہیں۔

اب میں اصول بیان کروں تو آپ سمجھ جائیں گے۔ ایک فیصلہ ہے قضاءً اور ایک فیصلہ ہے دیانتاً۔ دیانتاً ہوتا ہے بین العبد و بین اللہ اور قضاءً یہ کہ جب عدالت میں مسئلہ جائے گا تو فیصلہ ظاہری الفاظ پر ہوگا۔ دیانتاً مسئلہ اب بھی یہی ہے کہ اگر کسی نے تین بار لفظ ''طلاق'' بولا ہے اور نیت ایک طلاق کی تھی تو اس کو قاضی کہے گا کہ عدالتاً تو فیصلہ تین طلاق کا ہے لیکن اگر آپ کو تسلی ہے کہ آپ کی نیت ایک کی تھی، بندہ اہل علم ہے یا سمجھدار ہے اور اس بات کو سمجھتا ہے کہ صرف لفظ طلاق تین بار بولا ہے تو یہ آپ اور آپ کے اللہ کے درمیان معاملہ ہے، اس کو عدالت نہیں چھیڑتی، لیکن جب فیصلہ عدالت پر ہوگا تو وہ اس کو تین طلاق ہی نافذ کرے گی۔ اسلامی عدالت نکاح کے خاتمے کا فیصلہ دے دے تو یہ فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے۔ قضا کا نظام نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں مسائل کا پتہ ہی نہیں۔

خیر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے وہ فیصلہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں کیا اور وہ بھی ان سے قسم لے کر کیا۔ اب صحابہ کرامؓ والا اخلاص بھی نہیں رہا اور دوسرے یہ کہ حضور ﷺ صاحبِ وحی تھے۔ آپ ﷺ کے اجتہاد کو اگر تبدیل کرنا ہو تو وحی آپ کی رہنمائی کرتی

تھی اور آپ ﷺ کو خطا پر نہیں چھوڑا جاتا تھا کیونکہ انبیاء معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اور انھیں وحی کا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ فرمایا کہ میں صاحبِ وحی نہیں ہوں اور میرے پاس فیصلے کے لئے آنے والے صحابہ کرامؓ نہیں ہیں۔ لہٰذا اب جو فیصلہ عدالت میں آگیا تین بار کہنے کا تو عدالت اس کو تین طلاق ہی نافذ کرے گی اور اب اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ دیانتاً ان لوگوں کا اپنا معاملہ ہے۔

دنیا کے کاموں میں لگنے کی نیتیں:

فرمایا کہ دنیا کے کاموں میں لگنے کی بھی نیتیں ہیں۔ ایک آدمی صبح جاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ کل کے کاروبار میں یہ، یہ جھوٹ مجھ سے نہیں ہو سکا تھا اور یہ، یہ دھوکہ میں نے نہیں کیا اور ساری رات سوچتا ہے اس بات پر کہ آج میں وہاں جا کر یہ، یہ ترتیبیں اختیار کروں گا اور ایسے ایسے طریقے سے لوگوں کو پھانسوں گا اور ایسے ایسے گھیروں گا۔ ایک بات میں آپ کو صاف کہہ دوں کہ پیسے کما کر حج پر جانا آسان ہے لیکن اس پیسے کے کمانے میں سچ بولنا مشکل ہے۔ مجلس میں جو کاروباری لوگ بیٹھے ہوئے ہوا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر میری بات سنو اور آج جو کچھ کر کے آئے ہو اور اس ہفتہ میں جو کچھ کر کے آئے ہو اور کل جو کچھ کرنے کی نیت رکھے ہوئے ہو اس پر ذرا نگاہ ڈالو تو ہر ایک آدمی اپنے آپ کو جان جائے گا۔

دوسرا آدمی جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے روزی کمانے کا، **کسب الحلال فریضة بعد الفریضة**، اپنے لیے حلال روزی کمانا فرائض (فرض عبادات) کے بعد ایک اہم فریضہ ہے۔ شریعت میں تو بہت رحم ہے، کہ ایک آدمی کے بال بچے بھوکے ہیں تو اس کو فرض و سنت نماز پڑھ کر، نوافل کو چھوڑ کر، باقی سب چیزوں کو چھوڑ کر فوراً روزی کمانے کے پیچھے جانا چاہیے، اور اگر اس کو ایسی مجبوری کے حالات آ گئے کہ جب روزی کمانے کے لیے جاتا ہے تو اس کو جماعت

کی نماز نصیب نہیں ہوتی تو یہ اگر اسی جگہ پر بھی وضو کرے اور اذان دے، چاہے کھیت میں گیا ہو اور نماز وہاں اکیلے پڑھی ہو تو اس کو پچاس نمازوں کا ثواب ملے گا، جبکہ جماعت کے ساتھ پچیس سے ستائیس تک کا ثواب آیا ہوا ہے۔ اور اسی طرح اگر لکڑیاں کاٹنے کے لیے جنگل گیا ہے جہاں کوئی نہیں، تو اس نے اذان دی اور اکیلے نماز پڑھی تو اس کو پچاس نمازوں کا ثواب ملے گا۔ شریعت تو رحمت ہی رحمت ہے، سبحان اللہ! نیت کے ذریعے آدمی دنیا کو دین بنا دیتا ہے اور نیت خراب کرنے سے ہی آدمی نے دین کو دنیا بنایا ہوا ہوتا ہے، اور اپنے دین کو ضائع کر دیتا ہے، اور اپنی آخرت کو تباہ کیئے ہوئے ہوتا ہے۔ محض نیت کے بدلنے سے! ایک شخص جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرتا ہے، لیکن خدمت خلق کی نیت سے جاتا ہے، وہاں سچ بولنے کے لیے جاتا ہے، انسانوں کو سکھ پہنچانے کے لیے جاتا ہے، اس لیے کہا گیا ہے کہ بروز قیامت سچا تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

تصورِ شیخ کیا ہے؟

فرمایا کہ دل ہمارا فسق و فجور میں، دنیا کی چیزوں میں، گندگیوں اور غلاظتوں میں لگا ہوا ہے۔ تصوف میں ایک عمل ہوتا ہے جسے ''تصورِ شیخ'' کہتے ہیں یعنی شیخ کو دھیان میں لانا۔ تصور تو سب کو حاصل ہوتا ہے، کسی کو گائے کا کسی کو بھینس کا۔ مجاہدین نے ایک امریکی کنٹینر پکڑا اور کھولا تو اس کے اندر صرف ایک کتا تھا۔ جس نے پکڑا تھا وہ بڑا خفا ہوا کہ بہت سارا مالِ غنیمت ملتا تو دو تین مہینے گزارا ہو جاتا۔ کسی نے کہا کہ یہ تو بڑا قیمتی کتا ہے اور فلاں فوجی افسر کا ہے۔ انھوں نے ایک گلی کا آوارہ کتا پکڑ کر اس کے اندر بند کر دیا اور اصلی کتا نکال دیا۔ وہاں پہنچ کر جب کنٹینر کھلا تو کتا نکل کر بھاگ گیا۔ اس کے پیچھے بندے بھاگ گئے، ہیلی کاپٹر چڑھائے، بالآخر ایک آدمی نے اس کے اوپر کپڑا ڈالا اور پکڑ کر افسر کے پاس لے آیا۔ افسر نے جو دیکھا تو کہا کہ

یہ تو میرا کتا نہیں، یہ تو گلی کا کتا ہے۔ اس نے ایک آدمی کو دس لاکھ روپے دیئے کہ کہیں سے اس کا کتا پیدا کرے۔ وہ آدمی اس مجاہد کے پاس آیا اور کہا کہ تم ایسے ہی خفا ہو رہے تھے کہ کچھ بھی نہیں ملا۔ دیکھو بڑے پیسے ملے ہیں، یہ لو پانچ لاکھ روپے اور کتا دے دو۔ باقی پانچ لاکھ اس نے اپنا کمیشن رکھ لیا جس طرح حکومتوں کے وزیر کمیشن لیتے ہیں۔ اس حمام میں تو سبھی ننگے ہیں، ڈاڑھیوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کمیشن جیب میں ڈالتے ہیں۔ پانچ لاکھ کمیشن ہوا اور پانچ لاکھ آدمی کو دے دئے۔ کتا اتنا پسند ہے کہ اس کے لئے دس لاکھ کی قربانی دینے کو تیار ہے تو اس کے دل میں تو ہر وقت کتے کا تصور اور خیال ہے۔ ایک دَم گر پیر صاحب جب کسی کو تعویذ دیتے تو کہتے کہ یہ اثر تب کرے گا جب دل میں کالے کتے کا خیال نہیں لاؤ گے۔ اب اگر آدمی نہ بھی چاہے تو دل میں خیال آجاتا تھا کیونکہ ایک بات کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ جب تعویذ اثر نہیں کرتا تھا تو پیر صاحب کہتے کہ میں کیا کروں، تو نے کالے کتے کا خیال دل میں لایا تھا۔

اصلی حقیقت یہ ہے کہ تیرے اور میرے دل میں کیا ہے؟ دل کہاں اور کس کے ساتھ لگا ہوا ہے اور دل میں کیا سوچ اور دھیان ہے۔ جس چیز کا دھیان تیرے دل میں آرہا ہے اس چیز کا فیض اندر آرہا ہے۔ جیسے ہم یہاں سے پیغام (Message) بھیجتے ہیں تو ٹھک کر کے امریکہ پہنچ جاتا ہے گویا میری حقیقت امریکہ میں موجود ہے، ایسا قریبی رابطہ ہے یہ۔ ہر انسان خلاء (Space) میں، جسے پہلے Ether کہتے تھے، براڈکاسٹڈ (Broadcasted) بھی ہے اور ٹیلی کاسٹڈ (Telecasted) بھی۔ ہر ایک آدمی کی لہریں اس کے بدن سے اُٹھ کر ساری کائنات میں پھیلتی ہیں۔ ایک آدمی کا انگلی کا اِشارہ یا آنکھ کے اشارے کے اثرات ساری کائنات میں پھیلتے ہیں یہاں تک کہ عالمِ آخرت میں جا کر جنت دوزخ پر اثر ڈالتے ہیں۔ لٰہذا ہر آدمی اپنی حقیقت کے ساتھ پوری کائنات میں لہروں کی شکل میں بکھرا ہوا ہے۔ جو آدمی جہاں کہیں سے کسی کے

دھیان کو اپنے باطن میں لاتا ہے تو اس کی لہروں کے ساتھ اس کا رابطہ ہو جاتا ہے۔ اب اگر وہ ظلمت ہے تو ظلمت کا فیض ہوتا ہے اور اگر نور ہے تو نور کا اثر ہوتا ہے۔ اس کو تصورِ شیخ کہتے ہیں اور اس طریقے سے انسان پر اثرات آتے ہیں۔

طبعی احساسات اور عقلی احساسات:

فرمایا کہ حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احساسات دو قسم کے ہیں۔

۱) طبعی احساسات جو کہ بغیر تفصیلی سوچ کے حالات کی وجہ سے قدرتی طور پر محسوس ہوتے ہیں۔

۲) عقلی احساسات جو کہ سوچ کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔

ہم کسی واقعے کو زیادہ شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا، ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا، ہم اگر یہ احتیاط برت لیتے تو ہم اس کا تدارک کر لیتے۔ پہلی قسم کو طبعی یا فطری احساسات کہتے ہیں، اور دوسری قسم کو عقلی احساسات کہتے ہیں، جو کہ یا دوں اور پہلی قسم کے قدرتی محرکات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خیالات سے پیدا ہوتے ہیں۔ فرق یہاں پر ہے کہ عام لوگ قدرتی اسباب کی وجہ سے ملنے والے غم اور خوف کو محسوس کرتے ہیں اور اس پر سوچ سوچ کر اس میں مزید اضافہ کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق اور اس کی منصوبہ بندی (تقدیر) کو ناگزیر (Unavoidable) نہیں سمجھتے۔ اولیاء اللہ بھی غم اور خوف کو محسوس کرتے ہیں مگر جب ان کا ذہن ان احساسات پر سوچتا ہے تو ان کا عقیدہ اور اپنے آقا اللہ کے ساتھ ان کا تعلق ان کے دل کو مضبوط کرتا ہے اور ان کے احساسات پریشانی، دباؤ (Stress) اور تناؤ (Tension) کی طرف نہیں جاتے۔

اولیاء اللہ بھی بدنی لحاظ سے عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں، ان کا بھی خوف سے

واسطہ پڑتا ہے، ان کو خوف ہوتا ہے کہ ان کو اور ان کے خاندان والوں کو تکلیف نہ ہو۔ وہ اپنے متعلقین کو محفوظ اور معاشی طور پر آسودہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ جب یہ اندیشے ان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں تو وہ سوچتے ہیں کہ ہم نے دل کی قوت اور دل کی گہرائی سے کہا ہوا ہے۔ **لا الٰہ الا اللہ** ہم اللہ تعالیٰ کے غلام اور بندے ہیں تو جس کا پالنے والا اللہ جل جلالہٗ ہو تو اس کو کیسے برائی پیش آسکتی ہے اور اگر کچھ ہمیں برا دکھائی بھی دیتا ہے تو وہ ہمارے لئے اچھا ہی ہوتا ہے اگر وہ مِن جانب اللہ ہے کیونکہ اس کو سب خبر ہے۔

ایک پروفیسر کے فلسفے کا نچوڑ:

فرمایا کہ ہمارے یہاں ایک پروفیسر تھے مغنی صاحب۔ نفسیات میں پی ایچ ڈی تھے اور پشاور یونیورسٹی کے سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ کے پہلے سربراہ تھے۔ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدین میں سے تھے اور ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ بڑے عاجز آدمی تھے۔ ہمارے ساتھ بھی بڑا اچھا تعلق تھا۔ حضرت مولانا صاحبؒ کی وفات کے بعد جمعہ کی نماز کے لئے میرے پاس آتے تھے۔ انھوں نے اپنے فلسفہ، دانشوری وغیرہ سب کے نچوڑ کے طور پر مجھ سے ایک بات کہی۔ انھوں نے کہا: ''ڈاکٹر صاحب! آدمی خدا کا انکار کرسکتا ہے لیکن محمد ﷺ کا انکار نہیں کرسکتا کیونکہ انھوں نے جس طرح زندگی گزاری ہوئی ہے وہ ایسی معیاری ہے کہ اس کو دیکھ کر ہر ایک آدمی کی بس تسلی ہو جانی چاہیے کہ یہ توحید، یہ رسالت، یہ آخرت بالکل حق ہے جس کے لئے ایک آدمی (یعنی حضور ﷺ) اتنی قربانی دے رہا ہے۔''

لعمرک انهم لفی سکرتهم یعمهون. اے محمد ﷺ آپ کی عمر کی قسم! حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی سیرت کی قسم کھائی گئی ہے، آپ کی اس زندگی کو حجت کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ اس زندگی کو دیکھو۔

(جاری ہے)

"بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا" کا مطلب

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(انتخاب: قاضی محمد طلال سلجوقی صاحب ایڈووکیٹ)

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ذرا اس کا مطلب بیان فرمادیں اس کا مطلب کیا ہے۔ ؎

صحبتِ نیکاں اگر یک ساعت است

بهتر از صد ساله زهد و طاعت است

ترجمہ: نیکوں کی صحبت اگر ایک ساعت کیلئے میسر ہو جائے تو سو سالہ زہد و طاعت سے (جو بغیر رہبرِ کامل کے ہو) بہتر ہے۔

فرمایا مجھ سے تو آپ ہی بہتر سمجھنے والے ہیں مگر میں جو سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ کامل کی صحبت میں بعض اوقات کوئی گر ہاتھ آجاتا ہے یا کوئی حالت ایسی قلب میں پیدا ہوجاتی ہے جو ساری عمر کے لئے مفتاحِ سعادت (سعادت کی کنجی) بن جاتی ہے۔ یہ کلیہ نہیں بلکہ مہملہ ہے، ہر وقت یا ہر ساعت مراد نہیں بلکہ وہی وقت اور وہی ساعت مراد ہے جس میں ایسی حالت پیدا ہوجائے۔ عرض کیا گیا: تو کیا ہر صحبت اس وجہ سے مفید نہ ہوگی۔ فرمایا کہ ہے تو یہی مگر کس کو علم ہے کہ وہ کونسی ساعت ہے جس میں یہ حالت میسر ہوگی۔ ہر صحبت میں اس کا احتمال ہے اسلئے ہر صحبت کا اہتمام چاہئے۔ اس سے ہر صحبت کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہے اور اس حالت کو صد سالہ طاعت کے قائم مقام بتلانے کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ اگر کسی کے پاس ایک سوگنی

(حکومت برطانیہ کا پرانے زمانے کا سونے کا سکہ) ہوں تو بظاہر تو اس کے پاس اَمتِعہ (سامان) میں سے ایک چیز بھی نہیں، مگر اگر ذرا تعمق کی نظر (گہری نظر) سے دیکھا جائے تو ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے۔ اسی طرح اگر وہ کیفیت اس کے اندر پیدا ہوگئی تو بظاہر تو خاص طاعات میں سے کوئی بھی چیز اس کے پاس نہیں مگر حکماً (قانوناً) ہر چیز ہے، پس مراد اعمال پر قدرت ہونا ہے، اسی سے سب کام اس کے بن جائیں گے اور اصل چیز وہی کام ہیں جن کی یہ مفتاح صحبت میں نصیب ہوگئی، اگر وہ اعمال نہ کئے تو نری مفتاح کس مصرف کی (کس کام کی)۔

اسی لئے یہ کہتا ہوں کہ بدوں اعمال نہ کچھ اعتبار ہے اقوال کا نہ احوال کا نہ کیفیات کا۔ اس ہی لئے ان چیزوں میں سے کسی چیز میں بھی حظ (مزا) نہ ہونا چاہئے۔ اگر اعتبار کے قابل کوئی چیز ہے تو وہ اعمال ہیں اور اعمال بلا توفیقِ حق کے مشکل اور توفیق عادۃً موقوف ہے صحبتِ کامل پر۔ اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؂

قال را بگذار مردِ حال شو

پیش مردے کاملے پامال شو

(ملفوظاتِ حکیم الامت، جلد:۱، ص:۱۴۹، ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان، اشاعت: 1433ھ)

☆☆☆☆☆

(صفحہ ۲۰ سے آگے)

اس عزیمت ومقبولیت کا نتیجہ یہ تھا کہ ۲۴۱ھ میں جب اس امامِ سنت نے انتقال فرمایا تو سارا شہر امڈ آیا۔ کسی کے جنازے پر خلقت کا ایسا ہجوم اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کا اندازہ یہ ہے کہ آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں تھیں۔

تاریخِ دعوت و عزیمت

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(انتخاب: جناب خوشحال صاحب، نائب ناظم خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ، پشاور)

امام احمد بن حنبل رحمہٗ اللہ کی بے نظیر عزیمت اور استقامت

نوٹ: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ یہ مخلوق نہیں ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہ کے سارے امام قائم چلے آئیں ہیں۔ ایک گمراہ فرقہ معتزلہ کے نام سے وجود میں آگیا جس نے اس عقیدے کے خلاف قرآن مجید کو اللہ کی صفت نہیں بلکہ مخلوق کہنا شروع کردیا۔ یہ عقیدہ قرآن مجید کی دائمی اور ابدی حیثیت کو سخت نقصان پہنچانے والا تھا جس سے مستقبل میں جاکر قرآن کی حجت والی حیثیت کا ہی خاتمہ ہونے کا خطرہ تھا۔ (ادارہ)

فتنۂ خلقِ قرآن:

مامون (اس وقت مسلمانوں کا بادشاہ) نے خلقِ قرآن کے مسئلہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کردی۔ ۲۱۸ھ میں اس نے والیٔ بغداد اسحاق بن ابراہیم کے نام ایک مفصل فرمان بھیجا جس میں عامۃ المسلمین اور بالخصوص محدثین کی سخت مذمت اور حقارت آمیز تنقید کی، ان کو خلقِ قرآن کے عقیدہ سے اختلاف کرنے کی وجہ سے توحید میں ناقص، مردود الشہادۃ، ساقط الاعتبار اور شرارِ امت قرار دیا، اور حکم دیا کہ جو لوگ اس مسئلہ کے قائل نہ ہوں، ان کو ان کے عہدوں سے معزول کردیا جائے، اور خلیفہ کو اس کی اطلاع کی جائے۔

یہ فرمان مامون کی وفات سے چار مہینے قبل کا ہے، اس کی نقلیں تمام اسلامی صوبوں کو بھیجی گئیں اور صوبہ داروں (گورنروں) کو ہدایت کی گئی کہ اپنے اپنے صوبوں کے قاضیوں

کا اس مسئلہ میں امتحان لیں، اور جو اس عقیدہ سے متفق نہ ہو، اس کو اس کے عہدہ سے ہٹا دیا جائے۔

اس فرمان کے بعد مامون نے حاکم بغداد کو لکھا کہ سات بڑے محدثین کو (جو اس عقیدہ کے مخالفین کے سرگردہ ہیں، اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ وہ سب آئے تو مامون نے ان سے خلقِ قرآن کے متعلق سوال کیا۔ ان سب نے اس سے اتفاق کیا اور ان کو بغداد واپس کر دیا گیا، جہاں انھوں نے علماء و محدثین کے ایک مجمع کے سامنے اپنے اس عقیدہ کا اقرار کیا لیکن شورش ختم نہ ہوئی اور عام مسلمان اور تقریباً تمام محدثین اپنے خیال پر قائم رہے۔

انتقال سے پہلے مامون نے اسحاق بن ابراہیم کو تیسرا فرمان بھیجا، جس میں ذرا تفصیل سے پہلے خط کے مضمون کو بیان کیا گیا تھا، اور امتحان کے دائرہ کو وسیع کر کے اہلکارانِ سلطنت اور اہلِ علم کو بھی اس میں شامل کرایا تھا، اور سب کے لئے اس عقیدہ کو ضروری قرار دیا تھا۔ اسحاق نے فرمان شاہی کی تعمیل کی اور مشاہیر علماء کو جمع کر کے ان سے گفتگو کی اور ان کے جوابات اور مکالمہ کو بادشاہ کے پاس لکھ کر بھیج دیا۔ مامون اس محضر کو پڑھ کر سخت برافروختہ ہوا، ان علماء میں سے دو (بشر بن الولید اور ابراہیم ابن المہدی) کے قتل کا حکم دیا، اور لکھا کہ بقیہ میں سے جس کو اپنی رائے پر اصرار ہو، اس کو پابجولاں (پاؤں سے زنجیروں میں باندھ کر) اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ چنانچہ بقیہ تیس ۳۰ علماء میں سے (جو پہلے قائل نہیں ہوئے تھے) چار اپنی رائے (عدمِ خلق قرآن) پر قائم رہے۔ یہ چار اشخاص امام احمد بن حنبل، سجادہ، قواریری اور محمد بن نوح تھے۔ دوسرے دن سجادہ اور تیسرے دن قواریری نے بھی اپنی رائے سے رجوع کیا، اور صرف امام احمد اور محمد بن نوح باقی رہے جن کو مامون کے پاس طرطوس، ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں روانہ کر دیا گیا۔ ان کے ہمراہ انیس دوسرے مقامات کے

علماء تھے، جو خلق قرآن کے منکر اور اس کے غیر مخلوق ہونے کے قائل تھے۔ ابھی یہ لوگ رقہ ہی پہنچے تھے کہ مامون کے انتقال کی خبر ملی، اور ان کو حاکم بغداد کے پاس بغداد واپس کر دیا گیا۔ راستہ میں محمد بن نوح کا انتقال ہو گیا اور امام اور ان کے رفقاء بغداد پہنچے۔

مامون نے اپنے جانشین معتصم بن الرشید کو وصیت کی تھی کہ وہ قرآن کے بارے میں اس کے مسلک اور عقیدہ پر قائم رہے، اور اس کی پالیسی پر عمل کرے اور قاضی ابن ابی داؤد کو بدستور اپنا مشیر اور وزیر بنائے رہے۔ چنانچہ معتصم نے ان دونوں وصیتوں پر پورا پورا عمل کیا۔

امام احمد رحمہٗ اللہ ابتلاء و امتحان میں:

اب مسئلہ خلق قرآن کی مخالفت اور عقیدۂ صحیحہ کی حمایت اور حکومتِ وقت کے مقابلہ کی ذمہ داری تنہا امام احمد بن حنبل کے اوپر تھی، جو گروہِ محدثین کے امام اور سنت و شریعت کے اس وقت امین تھے۔

امام احمد رحمہ اللہ کو رقہ سے بغداد لایا گیا، چار چار بیڑیاں ان کے پاؤں میں پڑی تھیں، تین دن تک ان سے اس مسئلہ پر مناظرہ کیا گیا، لیکن وہ اپنے اس عقیدہ سے نہیں ہٹے۔ چوتھے دن والیٔ بغداد کے پاس ان کو لایا گیا، اس نے کہا کہ احمد تم کو اپنی زندگی ایسی دوبھر ہے، خلیفہ تم کو اپنی تلوار سے قتل نہیں کرے گا، لیکن اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر تم نے اس کی بات قبول نہ کی تو مار پر مار پڑے گی اور تم کو ایسی جگہ ڈال دیا جائے گا، جہاں کبھی سورج نہیں آئے گا۔ اس کے بعد امام کو معتصم کے سامنے پیش کیا گیا اور ان کو اس انکار و اصرار پر اٹھائیس (۲۸) کوڑے لگائے گئے، ایک تازہ جلاد صرف دو کوڑے لگاتا تھا، پھر دوسرا جلاد بلایا جاتا تھا۔ امام احمد ہر کوڑے پر فرماتے تھے:

اعطونی شیئاً من کتاب اللّٰه او سنته رسول حتی اقول بهٗ

ترجمہ: میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنت سے کچھ پیش کرو تو میں اس کو مان لوں۔

واقعے کی تفصیلات امام احمد بن حنبلؒ کی زبانی:

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں۔

''میں جب اس مقام پر پہنچا جس کا نام باب البستان ہے تو میرے لئے سواری لائی گئی اور مجھے سوار ہونے کا حکم دیا گیا۔ مجھے اس وقت کوئی سہارا دینے والا نہیں تھا اور میرے پاؤں میں بوجھل بیڑیاں تھیں، سوار ہونے کی کوشش میں کئی مرتبہ اپنے منہ کے بل گرتے گرتے بچا، آخر کسی نہ کسی طرح سوار ہوا اور معتصم کے محل میں پہنچا۔ مجھے ایک کوٹھری میں داخل کر دیا گیا اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ آدھی رات کا وقت تھا اور وہاں کوئی چراغ نہیں تھا۔ میں نے نماز کے لئے مسح کرنا چاہا، اور ہاتھ بڑھایا تو پانی کا ایک پیالہ اور طشت رکھا ہوا ملا۔ میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ اگلے دن معتصم کا قاصد آیا اور مجھے خلیفہ کے دربار میں لے گیا۔ معتصم بیٹھا ہوا تھا، قاضی القضاۃ ابن ابی داؤد بھی موجود تھا اور ان کے ہم خیالوں کی ایک بڑی جمعیت تھی۔ ابو عبدالرحمٰن الشافعی بھی موجود تھے، اسی وقت دو آدمیوں کی گردنیں بھی اڑائی جا چکی تھیں، میں نے ابو عبدالرحمٰن الشافعی سے کہا کہ تم کو امام شافعی سے مسح کے بارے میں کچھ یاد ہے؟ ابن ابی داؤد نے کہا کہ اس شخص کو دیکھو کہ اس کی گردن اڑائی جانے والی ہے اور یہ فقہ کی تحقیق کر رہا ہے۔ معتصم نے کہا کہ ان کو میرے پاس لاؤ، وہ برابر مجھے پاس بلاتا رہا، یہاں تک کہ میں اس سے بہت قریب ہو گیا، اس نے کہا بیٹھ جاؤ، میں بیڑیوں سے تھک گیا تھا، اور بوجھل ہو رہا تھا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا کہ مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے، خلیفہ

نے کہا: کہو! میں نے کہا کہ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اللہ کے رسول نے کس چیز کی طرف دعوت دی ہے؟ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا کہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کی شہادت کی طرف، میں نے کہا تو میں اس کی شہادت دیتا ہوں، پھر میں نے کہا کہ آپ کے جدِ امجد ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ کی روایت ہے کہ جب قبیلہ عبدالقیس کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے ایمان کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کیا، فرمایا: تمھیں معلوم ہے کہ ایمان کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ معلوم ہے، فرمایا: اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، اور مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ کا نکالنا۔ اس پر معتصم نے کہا کہ اگر تم میرے پیش رو کے ہاتھ میں پہلے نہ آگئے ہوتے تو میں تم سے تعرض نہ کرتا۔ پھر عبدالرحمان بن اسحاق کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا کہ اس آزمائش کو ختم کرو۔ امام احمد کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اللہ اکبر! اس میں تو مسلمانوں کے لئے کشائش (آسانی) ہے۔ خلیفہ نے علماء حاضرین سے کہا کہ ان سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو۔ پھر عبدالرحمان سے کہا کہ ان سے گفتگو کرو (یہاں امام احمدؒ اس مناظرہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں):

ایک آدمی بات کرتا اور میں اس کا جواب دیتا، دوسرا بات کرتا اور میں اس کا جواب دیتا، معتصم کہتا، احمد! تم پر خدا رحم کرے، تم کیا کہتے ہو، میں کہتا امیر المؤمنین! مجھے کتاب اللہ یا سنتِ رسول میں سے کچھ دکھایئے تو میں اس کا قائل ہو جاؤں۔ معتصم کہتا کہ اگر یہ میری بات قبول کرلیں تو میں اپنے ہاتھ سے ان کو آزاد کر دوں اور اپنے فوج ولشکر کے ساتھ ان کے پاس جاؤں اور ان کے آستانہ پر حاضر ہوں۔ پھر کہتا: احمد! میں تم پر بہت شفیق ہوں اور مجھے تمہارا ایسا ہی خیال ہے جیسے اپنے بیٹے ہارون کا، تم کیا کہتے ہو، میں وہی جواب دیتا

کہ مجھے کتاب اللہ یا سنتِ رسول ﷺ میں سے کچھ دکھاؤ تو میں قائل ہوں، جب بہت دیر ہوگئی تو وہ اکتا گیا اور کہا جاؤ، اور مجھے قید کر دیا اور میں اپنی پہلی جگہ پر واپس کر دیا گیا۔

اگلے دن پھر مجھے طلب کیا گیا اور مناظرہ ہوتا رہا اور میں سب کا جواب دیتا رہا، یہاں تک کہ زوال کا وقت ہوگیا، جب اکتا گیا تو کہا کہ ان کو لے جاؤ۔ تیسری رات کو میں سمجھا کہ کل کچھ ہو کر رہے گا، میں نے ڈوری منگوائی اور اس سے اپنی بیڑیوں کو کس لیا، اور جس ازار بند سے میں نے بیڑیاں باندھ رکھی تھیں اس کو اپنے پائجامہ میں پھر ڈال لیا کہ کہیں کوئی سخت وقت آئے اور میں برہنہ نہ ہو جاؤں۔ تیسرے روز مجھے پھر طلب کیا گیا، میں نے دربار بھرا ہوا دیکھا، میں مختلف ڈیوڑھیاں اور مقامات طے کرتا ہوا آگے بڑھا، کچھ لوگ تلواریں لئے کھڑے تھے، کچھ لوگ کوڑے لئے، اگلے دونوں دن کے بہت سے لوگ آج نہیں تھے، جب میں معتصم کے پاس پہنچا تو کہا بیٹھ جاؤ، پھر کہا ان سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو، لوگ مناظرہ کرنے لگے، میں ایک کا جواب دیتا، پھر دوسرے کا جواب دیتا، میری آواز سب پر غالب تھی، جب دیر ہوگئی تو مجھے الگ کر دیا اور ان کے ساتھ تخلیہ میں کچھ بات کہی، پھر ان کو ہٹا دیا اور مجھے بلا لیا، پھر کہا احمد! تم پر خدا رحم کرے، میری بات مان لو، میں تم کو اپنے ہاتھ سے رہا کروں گا۔ (معتصم امام احمدؒ کے معاملہ میں نرم پڑ گیا تھا، مگر احمد بن داؤد برابر اس کو گرم کرتا رہا اور غیرت دلاتا رہا کہ لوگ کہیں گے کہ معتصم اپنے بھائی مامون کے مسلک سے ہٹ گیا)۔ میں نے پہلا سا جواب دیا، اس پر اس نے برہم ہو کر کہا کہ ان کو پکڑو اور کھینچو اور ان کے ہاتھ اکھیڑ دو۔

معتصم کرسی پر بیٹھ گیا اور جلادوں اور تازیانہ لگانے والوں کو بلایا، جلادوں سے کہا آگے بڑھو، ایک آدمی آگے بڑھتا اور مجھے دو کوڑے لگاتا، معتصم کہتا زور سے کوڑے لگاؤ، پھر

وہ ہٹ جاتا اور دوسرا آتا اور دو کوڑے لگاتا، انیس ۱۹ کوڑوں کے بعد پھر معتصم میرے پاس آیا اور کہا: کیوں احمد اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو، بخدا مجھے تمہارا بہت خیال ہے۔ ایک شخص عجیف مجھے اپنی تلوار کے دستے سے چھیڑتا اور کہتا کہ تم ان سب پر غالب آنا چاہتے ہو، دوسرا کہتا کہ اللہ کے بندے! خلیفہ تمہارے سر پر کھڑا ہوا ہے۔ کوئی کہتا کہ امیر المؤمنین! آپ روزے سے ہیں اور آپ دھوپ میں کھڑے ہو رہے ہیں، معتصم پھر مجھ سے بات کرتا، اور میں اس کو وہی جواب دیتا، وہ پھر جلاد کو حکم دیتا کہ پوری قوت سے کوڑے لگاؤ۔ امام کہتے ہیں کہ پھر اسی اثناء میں میرے حواس جاتے رہے، جب میں ہوش میں آیا تو دیکھا کہ بیڑیاں کھول دی گئی ہیں، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے تم کو اوندھے منہ گرا دیا، تم کو روندا، احمدؒ کہتے ہیں کہ مجھے کچھ احساس نہیں ہوا۔''

بے نظیر عزیمت واستقامت:

اس کے بعد احمد بن حنبلؒ کو گھر پہنچا دیا گیا جہاں سے وہ گرفتار کیے گئے۔ رہائی کے وقت تک اٹھائیس مہینے ان کو حبس میں گزرے، ان کو ۳۳۔۳۴ کوڑے لگائے گئے۔ ابراہیم ابن مصعب جو سپاہیوں میں سے تھے، کہتے ہیں کہ میں نے احمد سے زیادہ جری اور دلیر نہیں دیکھا، ان کی نگاہ میں ہم لوگوں کی حقیقت بالکل مکھی کی سی تھی۔ محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ احمدؒ کو ایسے کوڑے لگائے گئے کہ اگر ایک کوڑا ہاتھی پر پڑتا تو چیخ مار کر بھاگتا۔ ایک صاحب جو واقعہ کے وقت موجود تھے، بیان کرتے ہیں کہ امام روزے سے تھے، میں نے کہا بھی کہ آپ روزے سے ہیں، اور آپ کو اپنی جان بچانے کے لئے اس عقیدہ کا اقرار کر لینے کی گنجائش ہے، لیکن انھوں نے اس کی طرف التفات نہیں کیا۔ ایک مرتبہ پیاس کی بہت شدت ہوئی تو پانی طلب کیا، آپ کے سامنے برف کے پانی کا پیالہ پیش کیا گیا، آپ نے اس

کو ہاتھ میں لیا اور کچھ دیر اس کو دیکھا پھر بغیر پیئے واپس کر دیا۔

صاحبزادہ کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت میرے والد کے جسم پر ضرب کے نشان تھے۔ابوعباس الرقی کہتے ہیں کہ احمد جب رقہ میں محبوس تھے تو لوگوں نے ان کو سمجھانا چاہا، اور اپنے بچاؤ کرنے کی حدیثیں سنائیں، انھوں نے فرمایا کہ خبّاب کی حدیث کا کیا جواب ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پہلے بعض لوگ ایسے تھے جن کے سر پر آرا رکھ کر چلا دیا جاتا تھا، پھر بھی وہ اپنے دین سے ہٹتے نہیں تھے۔ یہ سن کر لوگ ناامید ہو گئے اور سمجھ گئے کہ وہ اپنے مسلک سے نہیں ہٹیں گے اور سب کچھ برداشت کریں گے۔

امام احمدؒ کا کارنامہ اور اس کا صلہ:

امام احمدؒ کی بے نظیر ثابت قدمی اور استقامت سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا اور مسلمان ایک بڑے دینی خطرہ سے محفوظ ہو گئے۔ جن لوگوں نے اس دینی ابتلاء میں حکومت وقت کا ساتھ دیا تھا اور موقع پرستی اور مصلحت شناسی سے کام لیا تھا وہ لوگوں کی نگاہوں سے گر گئے اور ان کا دینی و علمی اعتبار جاتا رہا۔اس کے بالمقابل امام احمدؒ کی شان دوبالا ہو گئی، ان کی محبت اہل سنت اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کا شعار اور علامت بن گئی، ان کے ایک معاصر قتیبہ کا مقولہ ہے کہ:

اذارأیت الرجل یحب احمد بن حنبل فاعلم انه صاحب سنةٍ

ترجمہ۔ جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کو احمد بن حنبل سے محبت ہے تو سمجھ لو کہ وہ سنت کا متبع ہے۔

ایک دوسرے عالم احمد بن ابراہیم الدورقی کا قول ہے۔

من سمعتموه یذکر احمد بن حنبل بسوءٍ فاتهموه علی الا اسلام.

ترجمہ۔ جس کو تم احمد بن حنبل کا ذکر برائی سے کرتے سنو اس کے اسلام کو مشکوک نظر سے

دیکھو۔

امام احمدؒ حدیث میں امامِ وقت تھے، مسند کی ترتیب و تالیف ان کا بہت بڑا علمی کارنامہ ہے وہ مجتہد فی المذہب اور امام مستقل ہیں، وہ بڑے زاہد و عابد تھے، یہ سب فضیلتیں اپنی جگہ پر مسلم ہیں، لیکن ان کی عالمگیر مقبولیت و محبوبیت اور عظمت و امامت کا اصل راز ان کی عزیمت اور استقامت، اس فتنۂ عالم آشوب میں دین کی حفاظت اور اپنے وقت کی سب سے بڑی بادشاہی کا تنہا مقابلہ تھا یہی ان کے قبولِ عام اور بقائے دوام کا اصل سبب ہے۔

آوازئہ خلیل زتعمیرِ کعبہ نیست
مشہور شد ازاں کہ درآتش نکونشست

(ابراہیم علیہ السلام کی شہرت کعبہ کی تعمیر سے نہیں ہوئی بلکہ اس سے ہوئی کہ آگ کے اندر بیٹھے)

ان کے معاصرین نے جنھوں نے اس فتنہ کی عالم آشوبی دیکھی تھی، ان کے اس کارنامہ کی عظمت کا بڑی فراخ دلی سے اعتراف کیا ہے اور اس کو دین کی بروقت حفاظت اور مقام صدیقیت سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے ہمعصر اور ہم استاد مشہور محدّثِ وقت علی بن المدینی (جو امام بخاری کے مایہ ناز استاد ہیں) کا ارشاد ہے:

ان اللہ اعز ھٰذا الدین برجلین لیس لھما ثالث، ابوبکر الصدیق
یوم الردۃ احمد بن حنبل یوم المحنۃ.

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کا غلبہ و حفاظت کا کام دو شخصوں سے لیا ہے جن کا کوئی تیسرا ہمسر نظر نہیں آتا، ارتداد کے موقع پر ابوبکر صدیقؓ اور فتنۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں احمد بن حنبلؒ۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۱ پر)

انتخاب از حیاتِ درویش

(ماسٹر عزیز احمد صاحب مدظلہٗ، لونڈخوڑ)

۳۵ سالہ تبلیغی زندگی کے چند اہم واقعات:

تبلیغی اکابر میں رائے ونڈ مرکز کے امیر حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحبؒ کے ساتھ خصوصی تعلق رہا۔ آپؒ شاہ عبد القادر رائے پوریؒ، شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ اور شاہ عبد العزیز دعا جو دہلویؒ کے خلیفہ تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کے ساتھ خصوصی شفقت کا برتاؤ کرتے تھے آپؒ اور حضرت ڈاکٹر صاحب دونوں ایک ہی علاقے سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کے والد صاحب کے واقف کار تھے۔ رائیونڈ مرکز میں مغرب سے لے کر عشاء تک کا وقت حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ آپؒ ہی کے پاس گزارتے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب آپؒ کے بارے میں فرمایا کرتے ہیں کہ آپ بہت قوی النسبت، تعلق مع اللہ اور فہم وفراست اور گہرے علم والے بزرگ تھے۔ ایک دفعہ مولانا ظاہر شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں دار العلوم سے فارغ ہونے کے بعد پنجاب میں کسی جگہ امام ہوگیا، کوئی بہت بڑے خاندانی نوابوں کی مسجد تھی، فرمایا کہ میں نے درسِ قرآن شروع کیا تو بڑے نواب صاحب نے بھی بیٹھنا شروع کیا اور کچھ عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے فضل فرمادیا، زندگی ہی بدل گئی۔ نواب صاحب کے بیٹے کی شادی آگئی۔ ان کے خاندان میں شادی پر رنڈیاں بلانے اور ناچ گانا کرنے کا رواج تھا۔ سارے علاقے کے لوگ آتے، تماشا دیکھتے، اس سے ان کی لیڈری چمکتی اور انتخابات میں ان کی کوئی حیثیت بن جاتی تھی۔ اب بیٹے کی شادی آگئی تو سارے خاندان والے جمع ہوئے مشورے کے لئے کہ شادی کیسے کریں گے؟ نواب صاحب نے کہا کہ اب تو جیسے ہزارے والے مولوی صاحب

کہیں گے ویسے ہی کریں گے۔فرمایا کہ میرے پاس مشورے کے لئے آئے، میں نے ان کے پورے حالات کا جائزہ لیااوراس میں یہ بات سمجھ آئی کہ یہ لوگ اس قسم کی تقریبات کواپنی سیاسی حیثیت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔فرمایا کہ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ کے بیٹے کی شادی کا ولیمہ ہم تین دن کریں گے۔ان تین دنوں میں ہر دن مختلف علاقوں کے لوگوں کو بلائیں گے،لوگ کھانا کھائیں گےاور ساتھ ہی جلیبی والوں نے کڑاہی لگائی ہوگی اور ہرآنے والےکوایک سیر جلیبیاں لے جانے کے لئے دیں گے۔پھرایسا ہی کیا گیا،تین دن ولیمہ ہوا اور ہرآدمی ایک ایک سیر جلیبیاں گھر لے گیاتو سارے مردوں،عورتوں،بچوں میں ان کی خوب شہرت ہوئی اور بہت سیاسی دبدبہ قائم ہوااورخرچہ بھی پہلے سے زیادہ نہیں ہواجووہ ان فضولیات پر کرتے تھے۔

رائیونڈ مرکز میں ایک بزرگ بلال صاحب ہوتے تھے، وہ بھی آپ کے بہت اچھے دوست تھے، پشاورآتے تو آپ کے ہاں قیام فرماتے، لاہور کے رہنے والے تھے، بنیادی طور پر پہلوان تھے، معاش کے لئے پان کی دوکان کیا کرتے تھے۔تبلیغ میں وقت لگا کرفنافی التبلیغ ہوگئے، پہلے ان کا نام تصورحسین تھا۔رائیونڈ کے بزرگوں نے ان کا نام تصوراللہ رکھا، عربوں کی جماعت آئی ہوئی تھی ان ساتھ تشکیل ہوئی،تصور صاحب رنگ کے کالے تھےاس لئے انھوں نے ان کا نام بلال رکھا۔بس اسی دن سے انھوں نے بھی اپنا نام بلال رکھ دیااور شناختی کارڈاور پاسپورٹ میں بھی اپنا نام تبدیل کر کے بلال رکھ دیا۔ان سے کئی کرامتوں کا ظہوربھی ہوا۔ایک دفعہ ہندوستان میں ایک ہندوکودعوت دے رہے تھے،اس نے کہا کہ تو کہتا ہے اللہ سب کچھ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ قادر ہے، اللہ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا تو اس پکوڑوں کی کڑاہی میں ہاتھ ڈال نا ذرا! اس نے پکوڑے تلنے کے لئے کڑاہی چڑھائی ہوئی

تھی۔ پانی ابلنے کا درجہ حرارت ایک سو ڈگری سنٹی گریڈ ہوتا ہے جبکہ تیل کا دو سو ڈگری ہوتا ہے جو کہ بہت سخت گرم ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت کے بے تکلف دوست تھے، ایک دفعہ پشاور آئے اور حضرت کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے تو حضرت نے پوچھا: ''بلال صاحب! تیل والا واقعہ کیسے ہوا تھا؟'' انھوں نے کہا: ''میں دعوت دے رہا تھا، اس ہندو نے مجھے طعنہ دیا کہ تو کہتا ہے اللہ سے ہوتا ہے، چیزوں سے نہیں ہوتا، تو اس میں ہاتھ ڈال نا!'' ''بس میں نے کھولتے ہوئے تیل میں ہاتھ ڈال دیا'' جب باہر نکالا تو صحیح سالم تھا، کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔''

بلال صاحب حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ کی جو اصلی ترتیب ہے اس میں چار مہینے لگانے کے بعد پھر بیعت ہو کر تفصیلی سلوک سے گزرنا ضروری ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھ سے بلال صاحب نے کہا: ''ڈاکٹر صاحب کیا حال ہے آپ کے دوسرے دوست ڈاکٹر سلیم کا؟ وہ کدھر گیا؟'' میں نے کہا: ''جی وہ تو ایران چلا گیا جہاں نہ اذان کی آواز نہ جماعت کی نماز، سارے فضائل سے محروم ہو گیا۔'' بلال صاحب کہنے لگے: ''نہیں بھائی! ایسی جگہ تو جب آدمی اذان دے کر نماز پڑھتا ہے تو اس کے لئے پچاس نمازوں کا ثواب ہوتا ہے، مسجد والے کو تو ستائیس نمازوں کا ہوتا ہے پر اس کو پچاس کا ثواب ہوتا ہے۔'' تو ان کو حضرت جی مولانا انعام الحسن نے اس مشق پر ڈالا ہوا تھا کہ بدگمانی کی جگہ نیک گمان کرو۔ لہٰذا انھوں نے فوراً نیک گمانی والا تذکرہ کیا کہ اس پہلو سے سوچنا چاہیے۔

حضرت نے ایک دفعہ فرمایا: ''مولانا محمد احمد صاحب جو رائیونڈ میں بیان کیا کرتے ہیں ان کے ساتھ میرے تین سفر ہوئے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ میں بستی نظام الدین میں ٹھہرا ہوا تھا اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ڈاکٹروں نے کہہ رکھا تھا کہ

آپ عصر کے بعد ذرا باہر نکل کر چلنا پھرنا کیا کریں، ذرا چہل قدمی ہو جائے کیونکہ صحت متأثر ہو رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت نکلے تو میں بھی ان کے ساتھ نکلا۔ دہلی کے تبلیغی مرکز میں ہماری حاضری ہوئی ہے، جس جگہ یہ مرکز ہے اسے اب نئی دہلی کہتے ہیں، اُس زمانے میں یہ بیابان تھا، مغلوں کے شکار کی جگہ تھی، وہ یہاں آیا کرتے تھے، ایک چھوٹی سی مسجد بھی انھوں نے بنائی تھی اور اس کے ساتھ مکان بھی تھا جس میں ٹھہرتے تھے اور بیابان میں شکار کرتے تھے۔ اس زمانے میں انھوں نے اپنے بڑے بڑے مقبرے اس جگہ بنائے ہوئے تھے، ان میں ایک مقبرہ ہمایوں ہے، اس کے پاس سے جو ہم گزرے تو ایک بہت بڑی عمارت ہے۔ اتنی بڑی کہ اس میں ایک مسجد یا مدرسہ یا کئی غریب آدمیوں کے گھر بن سکتے تھے بجائے قبر پر تعمیر کرنے کے۔ مولانا محمد احمد صاحب کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ''حضرت یہ دیکھیں مغلوں نے کیا بے وقوفیاں کی ہوئی ہیں جو اتنی تعمیرات کی ہیں۔'' حضرت نے فوراً کہا: ''بھائی اگر یہ پیسہ یہاں نہ لگتا اور معصیت میں لگتا تو پھر؟ معصیت سے تو بچا ہے نا!'' مزدوروں کی مزدوری تو لگی ہے نا، مٹیریل والوں کا مٹیریل بکا ہے، اتنے فوائد تو ہوئے ہیں، اس طرح حضرت نے فوراً بدگمانی کو نیک گمان کی طرف موڑ دیا۔''

حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ تبلیغ کا کام تو عاجزی ہے اس میں تو علماء و مشائخ، ائمہ مساجد اور دیگر لوگوں کو اپنے سر کا تاج اور اپنے آپ کو ان کا خادم سمجھنا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے بڑے حضرت، شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنایا کرتے تھے ''پہلے دل لو پھر دن لو'' یعنی جس کا دل آپ کے ساتھ لگ گیا اس سے پھر چالیس دن، چار مہینے لینا بہت آسان ہے۔ فرمایا ہمارے ساتھ تبلیغی ساتھیوں میں حیات خان نام کا ایک رنگ ساز ہوتا تھا، بہت ہی فہم والا اور عاجزی والا

ساتھی تھا۔ایک دفعہ تین دنوں کے لئے ہماری تشکیل پشاور کی ایک مسجد میں ہوگئی، علماء اور اس محلے کے خوانین اور ایک افسر صاحب سے ملاقات کرنی تھی، جماعت میں سے کوئی بھی تیار نہیں ہورہا تھا، سب یہ کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کی حیثیت کا آدمی ان سے ملاقات کرے۔ حیات خان رنگ ساز کی تشکیل کردی گئی۔ جب وہ افسر صاحب کی ملاقات کے لئے گیا تو سلام کے بعد فوراً اپنا تعارف کرایا کہ جی میرا نام حیات ہے، رنگسازی کا کام کرتا ہوں، گندے اور گردآلود لباس میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں، آپ کے پاس بیٹھنے کے قابل تو نہیں، صرف یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ آپ کے محلے کی مسجد میں ہماری جماعت آئی ہوئی ہے، اس میں آپ جیسے خوبصورت لوگ آئے ہیں، اگر آپ بیان سننے کے لئے تشریف لائیں تو ہماری عزت افزائی ہو جائے گی۔ اس پر وہ افسر صاحب تشریف لائے۔ حیات خان کے اندر وہ عاجزی بناوٹی نہیں بلکہ فطری تھی۔ مسجد کے امام صاحب سے ملنے کے لئے جب حیات خان گیا تو بولا: استاد جی! میرا نام حیات خان ہے۔ رنگ روغن کا مزدور ہوں۔ ما پہ شان ناولی کس خو تاسو پشان خکلی خلقو سرہ ناستے قابل نہ دے خو امیر صاحب ستاسو خدمت کی دعا اغستلو لہ راولیگلمہ۔(ناولی مہندوں کی پشتو میں میلے کچیلے آدمی کو کہتے ہیں، جبکہ خکلی خوبصورت آدمی کو کہتے ہیں۔ اس نے یوں کہا کہ استاد جی میری طرح میلا کچیلا آدمی تو آپ کی طرح خوبصورت لوگوں کے پاس بیٹھنے کے قابل بھی نہیں لیکن کیا کروں کہ امیر صاحب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ کی دعا حاصل کروں)۔ اس حیات خان کے بارے میں مجھے (حضرت ڈاکٹر صاحب) یقین ہوتا تھا کہ کسی بڑے سے بڑے آدمی کے پاس بھی اسے بھیجیں تو یہ اپنی عاجزی کے ہتھیار کی وجہ سے کسی جگہ سے ناکام واپس نہیں آتا۔

جن دنوں آپ ہاسٹل نمبر ۳ کے وارڈن تھے کسی نے ہاسٹل کے دروازے پر ازراہِ

مذاق شیخ مینوفیکچرنگ انسٹیٹیوٹ کے الفاظ لکھ دیئے۔ وجہ اس کی یہ بنی کہ آپ کی تبلیغی محنت کی وجہ سے ادھر ایک ایسی فضا بن گئی تھی کہ ہاسٹل کے طلبہ کی دینی حالت قابل رشک ہوگئی۔ اکثر طلباء نمازی بن گئے، تعلیم میں بھی بیٹھتے تھے اور تبلیغ میں بھی وقت لگاتے تھے، اکثر نے ڈاڑھیاں بھی چھوڑ رکھی تھیں اور ہاسٹل میں ٹیلی ویژن نام کی کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ ایک قادیانی مسلمان ہوا اور اہل تشیع طلباء بھی جماعت کی نماز میں مسجد میں آنا شروع ہوگئے۔

اسی ہاسٹل کا ایک دوسرا واقعہ ہے کہ سال میں ایک دفعہ اینول ڈے منایا جاتا تھا۔ جب وائس چانسلر جی۔ ایم۔ خٹک صاحب اپنی تقریر کے بعد واپس جارہے تھے تو ہاسٹل کے طلباء نے اس کے پیچھے پیچھے لا الٰہ الا اللہ کا جہری ذکر شروع کر دیا۔ وائس چانسلر صاحب بہت اچھے آدمی تھے، پیچھے مڑ کر دیکھا اور کہا کہ مجھے پتہ ہے کہ آپ لوگ اینول ڈے نہیں بلکہ ڈاکٹر فدا صاحب کا عرس منا رہے ہو۔ (اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ عرس کسے کہتے ہیں)

ایک دفعہ راولپنڈی میں اجتماع ہو رہا تھا جس میں شمولیت کے لئے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان سے تشریف لائے تھے۔ یہاں اردن کے کچھ عرب طلباء پشاور یونیورسٹی میں مختلف شعبوں میں زیر تعلیم تھے۔ یہ حضرات تبلیغی جماعت کے چار چار ماہ کا نصاب پورا کرکے داخل ہوئے تھے، ہر وقت تبلیغی سرگرمی میں پھرتے رہنے کا معمول تھا اور ان میں بہت سے فیل ہو ہو کر تھک گئے تھے۔ حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ نے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے ہاتھوں میں ان کا ہاتھ دے کر فرمایا: ''مولانا صاحب! ان طلباء کو آپ نے پاس کروانا ہے۔'' پھر فرمایا: ''مولانا! اگر ان کی دنیا درست نہ ہوئی تو یہ دین پر پکے نہیں ہوسکیں گے۔''

حضرت مولانا صاحبؒ پشاور تشریف لائے اور حضرت ڈاکٹر صاحب کو بلا کر فرمایا کہ

بیٹا ان طلباء کو پاس کروانا ہے اور یہ حضرت جیؒ کا ارشاد ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیسے پاس ہوں گے، زیادہ وقت تو پھرنے میں اور تبلیغی گشت کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ شام کو واپس آتے ہیں تو متقی ہاتھ کا کھانا کھاتے ہیں (یعنی بکرے کا گوشت خود پکا کر) خوب کھانا کھانے کے بعد مجلس شروع ہوتی ہے۔ ایک اپنی حیدر آباد میں چلہ کی کارگذاری سنانا شروع کرتا ہے تو دوسرا فیصل آباد کی کارگذاری بیان کرتا ہے جبکہ تیسرا لاہور کے حالات سناتا ہے۔ اس طرح مجلس گرم رہتی ہے تھوڑی دیر بعد بدن بوجھل ہو کر غنودگی طاری ہو جاتی ہے اور سو جاتے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا کہ اس ترتیب سے تو آدمی پاس نہیں ہوسکتا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا پھر کیا کیا جائے تو آپ نے عرض کیا کہ ان پر پابندی لگائیں تاکہ یہ کچھ پڑھیں اور سیکھیں، تب ہی کچھ کامیابی ہوسکے گی۔ حضرتؒ نے ان طلباء کو سمجھایا۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے وہ کامیاب ہوئے اور اب اپنے ممالک میں اہم پوسٹوں پر کام کر رہے ہیں اور دین کی ذمہ داریوں کو بھی سنبھالے ہوئے ہیں۔ حضرت طلباء کے دینی و دنیوی مستقبل کے بارے میں فکر مند ہوتے تھے اور ایسی منصوبہ بندی فرماتے تھے کہ ہر دو جگہ طالب علم نمایاں حیثیت حاصل کر لیتا تھا۔

۱۹۶۹ء میں رائیونڈ کے مرکزی مقیمین اور بزرگوں کی جماعت جس میں رائیونڈ مرکز کے امیر مولانا ظاہر شاہ صاحبؒ، میاں جی عبداللہؒ، مفتی زین العابدینؒ اور حاجی عبدالوہاب صاحب تھے۔ انھوں نے مسجد مہابت خان پشاور میں اجتماع کیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حضرات اتنے اہم تھے کہ سارے کے سارے کبھی بھی اکھٹے نہیں نکلتے تھے۔ حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحبؒ نے حضرت ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ ہم پورے ملک کا دورہ کر رہے ہیں اور ہر جگہ بڑے اجتماعات کر رہے ہیں کیونکہ ملک کمیونزم کی سخت یلغار میں ہے،

خاص طور پر مشرقی پاکستان کو بہت خطرہ ہے۔ چنانچہ مشرقی پاکستان میں تبلیغی جماعت نے اپنے اصولوں سے ہٹ کر سیاسی پارٹیوں کی طرح مختلف چوکوں اور بازاروں میں بڑے بڑے اجتماعات کروائے جس کے نتیجے میں کمیونزم کی آواز دب گئی۔

مارچ ۱۹۶۹ء کو حضرت ڈاکٹر صاحب کو بزرگوں کی طرف سے پیغام ملا کہ ملک ہاتھ سے جارہا ہے اس لئے اللہ کے راستے میں نکل کھڑے ہوں۔ آپ پڑھائی کے دنوں میں چھٹی لے کر پنجاب اور صوبہ سرحد کی یونیورسٹیوں اور کالجوں کے تبلیغی دورے پر نکل گئے۔ پہلی تشکیل مردان کالج ہوگئی، رات گیارہ بجے وہاں پہنچے، بزرگوں نے کہا ہوا تھا کہ دن رات کو نہیں دیکھنا، بس کمر باندھ کر کام کرنا ہے۔ کمیونسٹوں نے جگہ جگہ اپنا لٹریچر تقسیم کیا ہوا تھا۔ کمروں میں ماؤزے تنگ اور لینن کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ طلباء کمیونسٹ پراپیگنڈے کا شکار ہو چکے تھے۔ ان تمام دنوں میں نماز اور دعوت کی فضا قائم کر کے طلباء کو تبلیغی ترتیب کے مطابق منظّم کر دیا۔ صوبہ سرحد کے کالجوں میں کام کرنے کے بعد آخری تشکیل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کی تھی۔ بزرگوں نے کہا کہ ان کمیونسٹوں کے دلائل کو توڑیں اور اگر ان کے ساتھ الجھنے کی نوبت آئے تو وہ بھی کریں تاکہ کمیونسٹوں کو یہ تأثر ملے کہ یہ ملک لینا اتنا آسان نہیں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا جب افغانستان میں ۱۹۷۳ء میں کمیونسٹ حکومت قائم ہوگئی تو بہت غم تھا۔ اور ایک سقوط ڈھاکہ کا بہت غم تھا۔ ہمارے سر چکرا رہے تھے۔ ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ تو اس غم کی وجہ سے سات دن تک کھانا نہیں کھا سکے تھے۔ تبلیغی شوریٰ میں دو باتیں سامنے آگئیں کہ افغانستان کا کمیونسٹ انقلاب ہماری سرحد کو متأثر کرے گا۔ کمیونسٹ اس علاقے میں اپنے لوگ بھیج کر دہریت (انکارِ خدا و آخرت) کی دعوت

چلائیں گے۔ خدانخواستہ اگر انھوں نے ایک دفعہ توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کو ان قبائلیوں کے دلوں سے محو کر دیا تو پھر یہاں کمیونزم کیلئے آنے کا راستہ کھل جائے گا نیز ملک کو بچانے کے لئے بھی بے انتہا فوجی وسائل درکار ہوں گے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ افغانستان کی سرحد پر بڑے بڑے اجتماعات کروائے جائیں۔ پیدل راستوں سے بغیر پابندی کے افغانستان کے عوام اور علماء بھی آئیں گے اور ان اجتماعات کی وجہ سے کمیونسٹ حکومت پر خوب دباؤ بھی آئے گا۔

چنانچہ اجتماعات مقرر کئے گئے۔ حضرت شفیع قریشی صاحبؒ ان دنوں مغربی و مشرقی پاکستان کے تبلیغی جماعت کے امیر تھے۔ اتنی بارعب شخصیت تھے کہ بھائی عبدالوہاب صاحب وغیرہ تو ان کے سامنے بول نہیں سکتے تھے، ان لوگوں کی تو چھوٹے بچوں کی طرح ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے۔ شفیع قریشی صاحبؒ انتہائی مالدار کارخانہ دار تھے۔ تبلیغ میں لگنے سے پہلے وائسرائے ہند کے ذاتی دوستوں میں سے تھے۔ اس جگہ سے مولانا الیاسؒ نے اٹھایا اور ایسی تربیت کی کہ حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ مولانا الیاسؒ نے ان کی خلافت کا اعلان نہیں کیا تھا لیکن کامل ترین تربیت یافتہ آدمی تھے۔

انھوں نے فرمایا کہ افغانستان کی سرحد پر قبائلی علاقوں میں جا کر بڑے بڑے تبلیغی اجتماعات کروتا کہ افغانستان کے کمیونسٹوں اور خاص کر داؤد پر رعب آئے۔ تو کھجوری (باڑہ خیبر ایجنسی) میں اجتماع ہو رہا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اسی اجتماع میں میرے ہی ہاتھوں میں شفیع قریشی صاحبؒ کی وفات ہوئی۔ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے فرمایا: ''حضرت قریشی صاحب نے سقوط ڈھاکہ کے غم میں پھٹ کر جان دے دی۔'' وفات کے وقت ایک چٹائی پر پڑے تھے لیکن ایسے درویشانہ حال میں ان کو اللہ کے راستے میں موت

آئی کہ مولانا اشرفؒ نے فرمایا کہ ایک بادشاہ شفیع قریشی ہم سے ایسے فقیرانہ حال میں رخصت ہو گیا۔

مشورے میں یہ بات بھی طے ہوئی کہ چترال سے چمن تک کی سرحد پر جماعتیں پھیلا دی جائیں اور زوردار طریقے سے توحید، رسالت اور آخرت کی دعوت کی فضا بنائی جائے، جس کے اثرات آسانی سے افغانستان آنے جانے والوں کے ذریعے افغانستان تک پہنچ جائیں گے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی تشکیل پارہ چنار کے ساتھ ملحقہ افغانستان کے سرحدی علاقے میں ہوگئی۔ آپ کی جماعت نے اس سفر میں بہت تکالیف برداشت کیں، کبھی کھلے میدانوں میں، کبھی درختوں کے نیچے، کبھی ندی ندیوں کے کنارے راتیں گزاریں۔

حضرت ڈاکٹر صاحب ایک خصوصی ملاقات کے لئے ایک ملک کے گھر پر گئے۔ جب ملاقات ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ ترکئی (روسی نمائندہ اور افغانستان کا سربراہ) نے پاکستانی علاقوں کے مَلکوں اور وڈیروں کو دعوت دی تھی، میں وہاں سے ہو کر آیا ہوں، کہا کہ کمیونزم ایسا نظام آیا ہے جو غریب، مزدور، کسان کا حامی ہے اور اس کے مفادات کا خیال رکھتا ہے۔ پھر اس نے افغانستان کے پرانے اور اسلامی نظام پر تنقید شروع کی۔ ترکئی نے تمام قبائلی ملک صاحبان کی اتنی ذہنی تطہیر (Brain Washing) کی ہوئی تھی کہ ان دنوں زیادہ تر لوگ یہی بولی بولنے لگے تھے۔ اس ملک صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ مجھے جلدی ہے سفر پر جا رہا ہوں اگر آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں تو پانچ منٹ بات کر سکتے ہیں۔ دعوت کے سلسلے میں پانچ منٹ میں کیا بات ہو سکتی ہے، مگر حضرت ڈاکٹر صاحب نے فوراً سوال کر ڈالا: ملک صاحب کچھ پتہ بھی ہے کہ افغانستان کا کمیونسٹ نظام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ کیا ہے آپ بتائیں؟ حضرت نے فرمایا کہ یہ وہ نظام ہے کہ کل تمہاری بیوی، بیٹی اور بہو کو کارخانے میں کام کے

لئے نکالیں گے۔ وہ پشتون آدمی تھا۔ یہ سن کر اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

۱۹۹۲ء میں آپ نے افغانستان کا پیدل سفر کیا۔ روسی افواج کے نکلنے کے بعد پروفیسر مجددی صاحب کی صدارت میں جہادی تنظیموں کو جمع کر کے حکومت بنائی گئی۔ لیکن گلبدین حکمت یار اور رشید دوستم آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ ان دنوں افغانستان میں امن وامان کے حالات مزید خراب ہو گئے تھے، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی عام تھی۔ ان انتہائی مشکل حالات میں آپ نے افغانستان کا پیدل سفر کیا۔ آپ کی جماعت نے طورخم سے دریائے آمو تک کا سفر کیا۔ نوجوان، بوڑھے، مدارس کے طلباء، علماء، کالجوں کے طلباء، قوموں اور قبیلوں کے سرداروں اور معززین، عام غرباء اور عوام، غرض سب طبقوں میں کام کیا۔ اس سفر میں قلعہ زال میں رات بارہ بجے ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور آپ پر کلاشنکوف تان لی۔ آپ نے حزبُ البحر پڑھنا شروع کر دیا۔ ان لوگوں پر اتنا خوف طاری ہوا کہ بھاگ گئے۔

اسی دوران آپ نے افغانستان کے دانشوروں سے بھی گفت وشنید کی کہ اب آپ لوگ ایک دوسرے کو معاف کر دیں، آپس میں صلح صفائی کر لیں اور مجددی صاحب کی حکومت کے ساتھ مل کر ایک قوم، ایک ملک بن جائیں۔ غیر ملکی فوجیں یہاں سے نکل جائیں۔ آپ نے یہ بات بھی کہہ دی کہ شمالی اتحاد والوں کو بھی معاف کر دیں۔ اس بات پر جلال آباد کی مرکزی مسجد کا امام گرم ہو گیا۔ اس نے کہا: ”کیوں معاف کر دیں؟ یہ تو کافر ہیں۔“ حضرت نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا ہے، اس کو مان لو۔ مولوی صاحب بولا: میں نہیں مانتا۔ حضرت نے فرمایا کہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہہ دے تو اگر مسلمان نہ بھی ہو تو منافق ہو گیا، دل کا حال تو اللہ کو پتہ ہے اور منافق کے ساتھ سارا معاملہ مسلمان کا کرنا ہوتا ہے۔ وہ مولوی صاحب کہنے لگا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں یہ بات تھی، اب نہیں ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ مجھے کوئی آیت یا حدیث بتاؤ جس سے یہ پتہ چلے کہ اس زمانے میں وہ معاملہ تھا اور اب اس طرح نہیں ہے۔

آدمی تھا عالم، سمجھ گیا کہ بات تو یہ ٹھیک کہہ رہا ہے اور میں غلط کہہ رہا ہوں۔ اس نے حضرت ڈاکٹر صاحب سے کہا: اگر تم نے پھر ایسی باتیں کیں تو یہاں وقت نہیں گزار سکو گے۔ حضرت کی جب واپسی ہوگئی تو یہاں کے لوگوں نے پوچھا کہ وہاں کیا دیکھ کر آئے ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ میں یہ دیکھ کر آیا ہوں کہ یہ لوگ پچیس سال مزید لڑیں گے کیونکہ اپنے بھائی سے صلح نہیں کر سکتے جبکہ دشمن کے ساتھ مل کر اپنے بھائی کو ختم کرنے کیلئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

سعودی عرب کا تبلیغی سفر ۱۹۷۹ء میں ہوا تھا۔ پیر سید مسرت حسین شاہ صاحبؒ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ بنیادی طور پر یہ سفر سعودی عرب کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تبلیغی کام کرنے کی غرض سے تھا۔ رائیونڈ والے حضرات چاہتے تھے کہ وہاں کے طلباء اور اساتذہ کے ساتھ ہمارے زیادہ تعلقات ہوں تاکہ تبلیغ کا کام یہ حضرات تفصیلی طریقے سے سیکھ لیں۔ آپ لوگوں نے وہاں کام کیا اور آپ کی خداداد صلاحیتوں سے وہاں کے اساتذہ اور طلباء اس کام سے بہت متأثر ہوئے۔ اس زمانے میں سعوی عرب میں تبلیغی کام کی کھلم کھلا اجازت تھی، مختلف شہروں میں مرکز آباد تھے اور جماعتیں چلتی تھیں۔ اس سال سعودی حکومت نے آپ لوگوں کو حج کیلئے ٹھہرنے کی بھی اجازت دے دی۔ پھر اسی سال سعودی عرب میں سلفیوں کا ہنگامہ ہوا اور بیت اللہ شریف پر ان کا قبضہ ہوا۔ سعودی عرب میں تبلیغی جماعت سمیت ساری تحریکیں ختم ہوگئیں۔ اس سے اہل مغرب کے اور اہل کفر کے منصوبے کامیاب ہوگئے اور امتِ مسلمہ کو عظیم نقصان اٹھانا پڑا۔ یہ سفر کُل تین مہینے کا تھا۔

☆☆☆☆☆

در مذمت شیطان

(IN CONDEMNATION OF THE SATAN)

کریمائے سعدی شیرازیؒ (۶۹۱ھ)

منظوم اردو ترجمہ: حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم

انگریزی ترجمہ از Wisdom of The East Series

(انتخاب: قاضی محمد طلال سلجوقی صاحب ایڈووکیٹ، پشاور)

دِلا ھر کہ محکوم شیطان بود
شب و روز در بند عصیان بود

مرے دل! جو شیطان کا تابع ہوا
وہ ہر دم گناہ میں ہوا مبتلا

O soul ! whoever is overpowered by Satan,
Is night and day in the snare of sin.

کسے را کہ شیطان بود پیشوا
کجا باز گردد براہِ خدا

ہو شیطان جس شخص کا پیشوا
وہ کب مڑ کے پائے گا راہِ خدا

Whoever hath Satan for his ruler,
How can he return to the way of God ?

دلا عزمِ عصیان مکن زینہار
کہ رحمت کند بر تو پروردگار

گناہ کا ارادہ نہ کر ہوشیار
کہ رحمت کرے تجھ پہ پروردگار

O soul ! beware that thou dost not give way to sin.
That to-morrow thou mayest be free as from fire.

زعصیان کند هوشمند احتراز

گناہوں سے انسان بچتا رہے

A wise man avoideth offence,

کـه از آب باشد شکر را گداز

کہ چینی تو پانی میں گھل کر رہے

As suger melteth in water.

کُـند نیك بخت از گنه اجتناب

مبارک ہے وہ جو گناہ سے بچے

A man of good disposition

doth not commit sin,

کـه پنهان شود نور مهر از سحاب

یہ بادل ہے سورج کہ جس سے چھپے

Lest he becometh as the light o

the sun concealed by the clouds.

مـکن نفس اماره را پیروی

نہ کر نفس امارہ کی پیروی

Do not give way to thy lusts,

که ناگه گرفتار دوزخ شوی

بنادے گا، ناگہ، تجھے دوزخی

Lest thou be suddenly snatched

to perdition.

اگر دور باشی ز فسق و فجور

اگر تو گناہوں سے ہو دور دور

If thou keepest away from sin

and iniquity,

نبـاشـی ز گلـزار فـردوس دور

تو جنت کے باغوں سے ہوگا نہ دور

Thou wilt not be far from the

garden of Paradise.